سوانح حیات "جہانِ دانش" میں ثقافتی بیانیہ کی صورت کا تجزیاتی مطالعہ

Locating Culture in Narrative: An Analytical Study of the Autobiography "Jahan-e-Danish"

ڈاکٹر فرحت جبیں ورک،
(صدر شعبہ اردو، فاطمہ جناح ویمن یونی ورسٹی، راولپنڈی)
ڈاکٹر شافیہ اعظم
(اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ بشریات، فاطمہ جناح ویمن یونی ورسٹی، راولپنڈی)

Abstract:

This article explores the individualistic and cultural elements in *Jahan-e-Danish* which is a distinguished Urdu autobiography mirroring the characteristics such as poverty and helplessness, great courage, purity of emotions, and novelty of similes. Moreover, we find pasteurization of scenes as well as comic and humorous features at different places in the autobiography. This article reflects the unique writing features of the author including its stylistic and methodological techniques that are important to make an autobiography a distinctive piece of literature. Furthermore, this article does not only illustrate the supernatural elements and lofty thoughts described in the novel which enhance the beauty and richness of this autobiography but also demonstrate how the author using an exclusive style of writing portrays the cultural issues through his personal experiences in a very impartial and natural manner.

Keywords: Jahan-e-Danish, Urdu novel, autobiography, culture, narrative

سوانح حیات

زندگی کی کہانی کی تحریری تفصیل کے طور پر مختلف شکلوں میں موجود ہوتی ہے۔ یہ تحریر کی وہ صورت ہے کہ جو دوسری انواع کہ جن کا مقصد دنیا کے بارے میں درست معلومات بشمول لوگوں کی سمجھ اور تجربات پہنچانا ہے کے تعامل کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوانح عمری کی بیانیہ شکل، کسی ایک فرد کا تجربہ، ہمدردانہ نقطہ نظر اور دوسروں کے ساتھ انسلاک اِسے افسانے کی طرح دلچسپ اور پڑھنے کے قابل بناتا ہے۔

بہرحال، سوانح حیات واضح طور پر غیر افسانوی نثر ہے کہ جو:

"حقیقت، بشمول اندرونی، نفسیاتی حقیقتوں، کی نمائندگی ہے جن کو ممکنہ حدود تک شواہد کے ذریعے جیسے کہ بیانات، خطوط اور سوانح نگار کے طرزِ عمل کے تجزیے سے، درست طریقے سے تشکیل دیا جاتا ہے۔"(1)

کہانیاں سنانا ہمارے سماج و ماحول کا ایک ایسا اہم پہلو ہے کہ ہم بعض اوقات یہ بھول جاتے ہیں کہ کہانیاں ہمارے تجربے کو تشکیل دینے کے لیے ابتدائی اور مسلسل ذرائع فراہم کرتی ہیں۔ کہانیاں سماجی / ثقافتی رویے کی دنیا کے بارے میں ہماری اجتماعی دانش کا ذخیرہ ہیں۔ یہ حقیقت کے ساتھ ہمارے مقابلوں (Encounters) کے لیے اہم ثالثی ڈھانچے ہیں۔ لہٰذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ علمی تحقیق کا ایک بڑا حصہ کہانیوں کی نوعیت اور انسانی معاملات میں ان کا مرکزی کردار دونوں پر مرکوز رہا ہے۔ کئی شعبوں بشمول لسانیات، ادبی تنقید، بشریات، نفسیات اور سماجیات میں محققین نے یہ دیکھنا شروع کر دیا ہے کہ کہانی کی ساخت کا تجزیہ انفرادی ارادے اور صلاحیت کے بارے میں ہماری سمجھ کے لیے کس طرح بنیادی ہے۔

یہ کہانی اور بالخصوص ذات کی شمولیت کے ذریعے ہی ہے کہ لوگ صحیح طور پر دنیا کے بارے میں اپنے علم کی تعمیر اور اسے برقرار رکھنا جانتے ہیں. آپ بیتی بطور حقیقی کہانی کے ذریعے ایک فرد روزمرہ کے واقعات سے معنی پیدا کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں یہ کہانی مستقبل کے واقعات کی توقعات کی بنیاد کا کام کرتی ہے۔ اسی طرح بشریات کے ماہر پیٹر برجر (Peter Berger) نے سماجی حقائق کی تشکیل میں کہانیوں کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

کریشنگ تھنڈر (Crashing Thunder) اور دیگر نمایندگان کی سوانح حیات نظم وضبط میں کلاسک ہیں۔ اس کے لیے تاریخ اور ثقافت مخصوص افراد کی زندگی پر مبنی تھی اور سوانح حیات اور زندگی کی تاریخوں (histories life) نے تاریخ اور ثقافت کو زندہ رہنے کے طور پر ظاہر کیا۔ یعنی آپ بیتی کسی شخصیت کو زمانۂ حال و مستقبل میں جیتا جاگتا رکھنے کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔ اسی طرح یہ کہانی و حقیقت کا وہ سنگم بھی ہے کہ جس میں بیان کنندہ اپنے عصر کی کُلی یا کسی قدر اہم قدروں سے بھی روشناس کرواتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ:

> "آج کئی دہائیوں بعد سوانح حیات کا مطالعہ اب بھی بوس (Boas) اور ریڈن (Radin) کی طرح مختلف نقطۂ نظر کے تابع ہے۔ بشریات، سماجی اور نفسیاتی علوم نے سوانح حیات کے دو بڑے نظریات پیش کیے ہیں۔ ایک زندگی پر زور دیتا ہے، دوسرا کہانی پر۔"[(2)]

یعنی یہ بھی ضروری نہیں کہ کہانی سنانے والے، اپنی زندگی کے سفر کی، حتیٰ کے ان کی اپنی مہم جوئی کی بھی، ایک مستقل، تاریخی طور پر منظم کہانی فراہم کریں۔ ماہرِ بشریات ہولن، اس حوالے سے یوں وضاحت کرتے ہیں کہ:

"بہت ساری چیزیں بھلا دی جاتی ہیں، گھل مل جاتی ہیں یا نظر ثانی کی جاتی ہیں، اگر پیش (presentation) کے لیے نہیں تو اس شخص کی اپنی یادداشت میں خود کی ایک خوش کن تصویر بنانے کے لیے

ناخوش گوار واقعات وقت کے ساتھ دبائے جاسکتے ہیں۔[3] اور بعض اوقات تو خواب اور تصورات میں حقیقی واقعات کے طور پر یادداشت میں شامل ہوسکتے ہیں۔

ماہر بشریات کے مطابق بہترین سوانح عمری گہرائی اور ثقافتی حساسیت کے ساتھ مخصوص زندہ حقیقت (Lived reality) کو پیش کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔" کچھ بہترین سوانحی اور انفرادیت پسند روایت میں، سماجی اور ثقافتی دنیا اُس وقت زندہ ہوجاتی ہے جب قارئین ان کا تجربہ اس دنیا کے ایک باشندے کی زندگی اور نقطہ ءنظر کے ذریعے کرتے ہیں۔"[4]

اردو ادب کی لکھی گئی اہم آپ بیتیوں میں "جہانِ دانش" اپنی بیانیہ شکل کی بنا پر ایک خاص مقام رکھتی ہے۔اسی طرح احسان دانش کا شمار اُردو دنیائے ادب کی ایسی شخصیات میں ہوتا ہے کہ جن کی سحر انگیز تخلیقی صلاحیت نے زمانے بھر میں انہیں ہمیشہ مرجع خاص وعام بنائے رکھا۔ شاعری کے ساتھ ساتھ انشا پردازی کے حوالہ سے انھوں نے اردو زبان وادب پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔یوں تو جوش ملیح آبادی سمیت اور بہت سے نامور اہلِ قلم نے آپ بیتی کے حوالہ سے اپنی ذات اور زندگی کا احوال مجملہ طور پر بطور سند نذرِ قارئین کیا ہے تاہم ادبی مشاہیر کی ایسی خودنوشت سوانح عمریوں میں جو پذیرائی احسان دانش کی آپ بیتی "احسان دانش" کو ملی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور اس پذیرائی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اپنی شخصیت کے حوالہ سے لکھتے ہوئے انھوں نے نہ تو خودنمائی سے کام لیا ہے، نہ خود فریبی سے بلکہ ایک ایسا رویہ اپنایا ہے کہ جس کے غیر جانبدار ہونے پر ایمان لایا جاسکتا ہے۔

احسان دانش نے نہ تو اپنی کسی خامی کو تاہی یا غلطی کو کیموفلاج کرنے کے لئے کہیں کسی عذرِ گناہ کا سہارا لیا ہے اور نہ کہیں اپنی شخصیت کو نابغہ روزگار ثابت کرنے کی کوئی کوشش کی ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی ذات کے آئینہ خانے میں اپنی جو جو شباہت دیکھی ہے اسی شباہت کے خدوخال کو جوں کا توں اپنے قاری کے سامنے پیش کردیا ہے۔خودنوشت کی مشکلات ہمیشہ اُس کاملِ فن مجسمہ ساز کی سی رہی ہیں کہ جو خود اپنا قدِ آدم مجسمہ بنانا چاہے تو ہوبہو اپنے جیسا نہیں بنا پاتا۔ایسی مشکلات پر بحرِ ذات کا صرف وہی غواص قابو پاسکتا ہے کہ جو بقول اقبال اپنے من میں ڈوب کر سراغِ زندگی پاچکا ہوتا ہے جو اپنی زندگی کو اسی وقت فیض رساں جانتا ہے کہ جب اپسے بغیر کسی ملمع کاری یا قطع وبرید کے پیش کیا جائے۔احسان دانش نے "جہانِ دانش" میں یہی کیا ہے۔

آپ بیتی لکھنے والے اکثر مشاہیر از سرِ نو اپنی مصنوعی کردار سازی کرتے ہوئے اپنے آپ کو سنواری ہوئی حالت میں پیش کرنے کے خواہشمند نظر آتے ہیں۔وہ اپنی ایک ایسی تصویر اپنے قاری کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس میں ایک بڑے ادیب، شاعر یا دانشور کے طور پر ان کے پہلے سے قائم شدہ

تصورات کو زک پہنچنے کا اندیشہ نہ رہے۔ احسان دانش نے ایسا کچھ کرنے کا نہ تردد کیا ہے نہ ایسی کوئی شعوری کاوش کی ہے۔ ان کا ظاہر ان کے باطن اور ان کا باطن ان کے ظاہر کی برملا گواہی دیتے ہوئے سامنے آتا ہے۔ ان کی خود نوشت ہمیں کسی دہری شخصیت کی لکھی ہوئی خود نوشت دکھائی نہیں دیتی۔ ان کے ذہنی رویے، رجحانات، نفسیاتی و نفسانی واجبات اُسی فرد کے نظر آتے ہیں جس طبقے سے وہ متعلق ہے نہ تو انھیں اپنے آپ کو فرشتہ صفت ظاہر کرنے کا خبط ہے اور نہ وہ اپنے آپ کو اپنے اردگرد کے افراد سے نمایاں کر کے دکھانے کے شائق ہیں۔ اپنی کمزوریاں، کوتاہیاں، معذوریاں، مجبوریاں، محرومیاں اسی پس منظر میں بیان کرنے سے نہیں ہچکچاتے کہ جس پسِ منظر میں وہ ارتقا پذیر ہوئی ہوتی ہیں۔

"جہانِ دانش" احسان دانش کی نثری کاوشوں کا وہ ثمر ہے جس میں احسان دانش کی زندگی کے ہر ہر پہلو کی تصویر کشی ملتی ہے 'جوانی کے جوار بھاٹا کا عکس بھی صفحہ قرطاس پر بکھرا نظر آتا ہے، ادھیڑ عمر کی دانشمندی بھی اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ کسی انسان کی طویل زندگی کے لیے اتنے صفحات بہت کم ہیں مگر صاحبِ تحریر کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے صفحات کی کمی کے باوجود اپنے شخصی خاکے کو دھندلا نہیں ہونے دیا۔ جہانِ دانش ایسی تصنیف ہے کہ جو بطور صنفِ ادب خود نوشت کے ہر ممکنہ تقاضے پر پوری اترتی ہے۔ احسان دانش نے "جہانِ دانش" میں وہ سب کچھ لکھ دیا ہے جو اُن پر اور ان کے دل پر گزرا۔ احسان دانش "آپ بیتی" کے بارے میں جو تصور رکھتے ہیں اس کا ذکر انھوں نے "جہانِ دانش" کے دیباچے میں ان الفاظ میں کیا ہے کہ

"یہ کتاب "جہانِ دانش" جو آپ کے سامنے ہے۔ میں نے اسے کئی بار لکھنے کا ارادہ کیا لیکن اپنے حالات کی طرف دیکھ کر اس خیال سے خاموش ہو گیا کہ کہیں پڑھنے والے اسے رحم کی درخواست نہ سمجھ لیں۔۔۔ میری عمر کی باولی گہری ضرور ہے لیکن اندھیری نہیں جب میں اس میں جھانکتا ہوں تو چاروں طرف طاقوں میں چراغ جل اُٹھتے ہیں اور سیڑھیاں اس قدر روشن ہو جاتی ہیں کہ درزیں تک نظر آنے لگتی ہیں۔ مجھے میرے ماضی نے اس قدر کُھندلا ہے کہ کہیں تو پتختیاں کھا کھا کر میرا بدن نیلا پڑ گیا ور کہیں چوٹ جگہیں اپنی سطح سے اُبھری کی اُبھری رہ گئی ہیں مگر نظر میں تہ رسی آ گئی۔۔۔ ہر چند کہ آپ بیتی لکھنا آسان کام نہیں اس لیے تندرست تصور، جیالا حافظہ اور تازہ دم قوتِ تخلیق درکار ہوتی ہے جو ہر شخص کا حصہ نہیں۔ آپ بیتی لکھنے والا انسان ناول نویسی یا افسانہ نگار کی طرح ادب تخلیق نہیں کرتا بلکہ اُن کے جادہ فکر سے ہٹ کر گزری ہوئی صداقتوں کو عصرِ حاضر کے بالا بر میں اس طرح رفو کرتا ہے کہ سیون دکھائی نہیں دیتی۔"(5)

"جہانِ دانش" کئی حوالوں سے اُردو کی آپ بیتیوں میں منفرد ہی نہیں بلکہ ایک بلند مقام بھی رکھتی ہے۔ یہ آپ بیتی کسی نواب، امیر، سپہ سالار، جاگیر دار یا ایسے آدمی کی نہیں ہے جو سونے کا چچ لیکر پیدا ہوا ہو بلکہ

یہ تو ایک مفلس و نادار لیکن خود دار و غیرت مند انسان کی روداد ہے جو زندگی کے ایک ایک زینے کو اپنی مستقل مزاجی اور خدائے واحد کے بھروسے پر طے کرتا چلا جاتا ہے۔ جس نے کبھی عزیزوں کی طوطا چشمی دیکھی ہو، کبھی استحصالی قوتوں کے ظلم و ستم برداشت کیے ہوں جو افلاس کا ذکر انفعالیت کے ساتھ نہیں بلکہ شکر گزاری کے ساتھ کرتا ہو، جس نے اپنی زندگی کو رحم کی اپیل کے لیے نہیں بلکہ معاشرے کے ٹھکرائے ہوؤں کو بلند ہمتی اور جرات و بہادری کا درس دینے کے لیے لکھا ہے۔ جو طوائف کی محفل میں بھی جاتا ہے تو اُسے زندگی کے گُر سکھا کے اُٹھتا ہے۔ شرافت جس کے خون میں شامل ہے اور حیا جس کی آنکھوں کا حجاب ہے تنگدستی جس کے لیے کبھی سدِ راہ نہیں بنی بلکہ یہ مہمیز کا کام دیتی رہی۔ ڈاکٹر تحسین فراقی جہانِ دانش کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "جہانِ دانش" ایک بڑے آدمی کی سرگزشت ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ عزم و ہمت، صداقت و حوصلہ، جرات ایمانی اور اعلیٰ قدروں پر ایمان کا سرمایہ اگر ہم سفر ہو تو عظمت و شہرت محض چند قدم کے فاصلے پر ہے اور یہ سب حقائق جاندار مکالموں اور اعلیٰ محاکات کے جلو میں منکشف ہوئے ہیں ۔"جہانِ دانش" اُردو کی چند بہترین آپ بیتیوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔"(6)

"جہانِ دانش" کی پیش کش نہایت دلکش ہے۔ احسان دانش نے آپ بیتی کا آغاز اپنے مُولد کے ذکر سے کیا ہے اور خوب کیا ہے آپ بھی ملاحظہ کیجئے:

> "کاندھلہ ضلع مظفر نگر یو۔ پی میں شاہدرہ سہارنپور ریلوے پر ایک بارونق قصبہ ہے جس کے مشرق میں نہر جمن شرقی اور اس کے کنارے کنارے باغوں اور کوٹھیوں کا پر فضا منظر ہے۔ اگرچہ قصبے کے چاروں طرف گنجان باغوں کے بڑے بڑے قطعات چل کر محلوں تک آگئے ہیں لیکن یہ نہر کے گُل بار کناروں کا منظر ہر وقت رہٹ چلنے کے باعث گردونواح کے دوسرے مناظر سے نسبتاً شاداب اور روح افزا رہتا ہے مگر شام ہوتے جب آسمان کی نیلی آنکھوں میں سرسوں پھولنے لگتی ہے اُس وقت یہ قطعہ اور بھی تیکھا ہو جاتا ہے۔"(7)

احسان دانش نے تمثیلی انداز میں اپنے مولد کاندھلے کے گردونواح کی عکاسی کر کے خوب لطف پیدا کیا ہے۔ قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے کاندھلہ کا ریلوے اسٹیشن، نہر، باغوں، پھلوں اور رہٹ کو دیکھ رہا ہے حتیٰ کہ شام کے وقت کاندھلے کے لطیف حُسن سے مسحور ہو رہا ہے۔ یہی تو کسی ادیب کا کمال ہے کہ وہ لفظوں سے تصویر کھینچ دے۔ جہانِ دانش کا اسلوب بیانیہ ہے کیونکہ یہی اسلوب آپ بیتی کے لئے موزوں ہے۔ آپ بیتی مصنف کی زندگی کے گوشے گوشے کو صفحہ قرطاس پر بکھیر دیتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ "جہانِ دانش" میں احسان دانش نے اپنے مولد، بچپن کے ماحول، تعلیمی مشکلات، گاؤں میں روزگاری کی پریشانیوں، پھر شہر لاہور میں اپنی کاوشوں اور شعر و شاعری کے مواقعوں کا ذکر، اپنی شہرت بحیثیت شاعر، اس

زمانے کے سیاسی و معاشرتی فضا غرض کہ جو جو واقعات ان کی زندگی میں پیش آئے ان کو سامنے لے آئے ہیں۔ جہانِ دانش نہ صرف احسان دانش کی زندگی کے مختلف ادوار کا احاطہ کرتی ہے بلکہ ان کے نظریات و عقائد کا بھی خاکہ پیش کرتی ہے چنانچہ جہانِ دانش میں سوشلزم، مزدور دوستی، قرآنی تعلیمات، نظم کے خاص موضوعات اور ذوقِ مطالعہ کے بارے میں احسان دانش کے خیالات سامنے آتے ہیں۔ یوں احسان دانش کے نظریات و خیالات کی جھلک جہانِ دانش کے آئینے میں دکھائی دیتی ہے۔

احسان دانش کی آپ بیتی میں سن و صال کا تعین نہیں کیا گیا۔ واقعات کسی متعین سنِ وصال کے بغیر ناول کی سی ترتیب کے ساتھ بیان ہوتے گئے ہیں۔ "جہانِ دانش" میں احسان دانش کی زندگی کے نشیب و فراز کسی ناول کے پلاٹ کی طرح دکھائی دیتے ہیں جو مسلسل ارتقاء حاصل کرتے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنی پیدائش کے مقام و سن کا ذکر ضرور کیا ہے۔ ضلع مظفر نگر (یو۔پی) کے ایک قصبہ کا نرھلہ کو اپنا جائے ولادت قرار دیا ہے۔ سن وصال کے تذکرے کا ذکر احسان دانش نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

> "مجھے احساس ہے کہ میں واقعات کی ترتیب میں بہکا ہوں لیکن کہاں تک نہ بہکتا؟ میں نے جہاں اور جس نشیب سے سفر شروع کیا ہے وہ ایسا تھا کہ علم و ادب کے قافلے اُس سے بہت آگے جا چکے تھے اور وہاں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کبھی ایسا وقت بھی آئے گا کہ مجھے اپنی آپ بیتی لکھنے کا ناگوار فرض ادا کرنا پڑے گا۔ یہی سبب ہے کہ آپ کو اس سوانح میں سنیں نہیں ملیں گے، ویسے بھی مجھے ہندسہ، نام اور رستہ اچھی طرح یاد نہیں رہتا اور نہ کبھی یاد رکھنے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ ازیں میری کتاب کوئی تاریخ کی کتاب نہیں یہ تو میرے غیر منظم اور مختصر واقعات کی یادداشتیں ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ میرے دھندلے دھندلے نقوشِ حیات ہیں اور اس خیال سے پیش کر رہا ہوں کہ شاید یہ کس رُخ سے انسانیت کے لئے مفید ہوں اور بس۔"(8)

احسان دانش نے اپنے آپ کو خواہ مخواہ اور پیدائشی نواب اور پیدائشی عالم ثابت کرنے کی کہیں بھی کوشش نہیں کی۔ انھوں نے انتہائی سچائی سے اپنے بچپن کے تمام حالات سُپردِ قلم کر دئے ہیں۔ مفلسی و ناداری کے ایام ایک ننھے اور حساس دماغ میں کس طرح نقش ہو کر رہ گئے ان کو انھوں نے کچھ یوں رقمطراز کیا ہے:" جس مکان میں مَیں نے ہوش سنبھالا، تھا تو وہ شاہانہ طرز و طریق کا لیکن اس قدر کہنہ اور بوسیدہ کہ جس بالائی حصے میں ہم رہتے تھے آئے دن چھت میں سانپ رینگتے دکھائی دیا کرتے۔ گھر میں کوئی لکڑی لوہے یا جست کا بکس نہ تھا۔ نئے اور دُھلے ہوئے کپڑے ایک مٹکے میں بھرے رہتے اور عید تہوار کو میری والدہ وہی ملے دبے کپڑے سلوٹیں کھول کھول کر مجھے پہنایا کرتیں۔ ہر برسات میں مکان کا ایک نہ ایک حصہ یا تو گر جاتا یا گرنے کے قابل ہو جاتا۔ مگر چونکہ مکان نہیں حویلی تھی اس لئے رہنے میں کوئی دقت نہ ہوتی پھر نانا صاحب نے ازراہِ ہمدردی

بھی کچھ عزیزوں کو آباد کر لیا تھا جو اب رفتہ رفتہ ماحول کو نرم پا کر ساری حویلی پر قابض ہو گئے تھے اور اس سے زندگی اجیرن ہوتی جا رہی تھی انتہا یہ ہوئی کہ ہمارے پاس ایک بوسیدہ سا کمرہ رہ گیا۔۔۔جب کبھی زور کی ہوا یا آندھی چلتی تو ہمارے گھر کا چراغ ہونٹ چاٹ چاٹ کر رہ جاتا۔ جھونکے اور جھکڑ اس گھروندے کو روشن نہ دیکھ سکتے اور ہماری تمام رات بے خوابی و تاریکی میں بیت جاتی۔"(9)

"جہانِ دانش" کے مطالعے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ مصنف افلاس کے ہاتھوں پریشان ضرور رہا ہے اور اسے مشکل ترین حالات کا سامنا ضرور کرنا پڑا ہے لیکن وہ اس وجہ سے ہمدردی کا طالب نہیں ہے بلکہ وہ جرات مندی و حوصلہ سے ان رکاوٹوں کو عبور کرتا ہوا علم و آگہی کی منازل طے کرتا رہا۔

احسان دانش نے زندگی کی ہر تڑپ کو واقعاتی صورت میں ظاہر کر دیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ "جہانِ دانش" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

> "احسان دانش کی آپ بیتی (جہانِ دانش) آزمائشوں اور امتحانوں کی زنجیر کو کاٹ کر صفحہ قرطاس پر آئی ہے اور اپنے اندر ایک معنی رکھتی ہے بلکہ یوں کہئے کہ سراپا معنی ہے کیونکہ اس میں مصنف نے اپنی علمی، ذہنی اور روحانی جدوجہد کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ انہوں نے اس خرابے میں جسے دُنیا کہتے ہیں کس طرح محنت و حوصلہ مندی کی دیواریں تعمیر کیں۔۔۔یہ احسان دانش کی کہانی ہے مگر یہ وہ کہانی نہیں جسے افسانہ سمجھ کر کوئی اونگھنے لگے۔ یہ تو وہ کہانی ہے جسے سُن کر سوئے ہوئے بھی جاگ اُٹھیں گے۔"(10)

احسان دانش کی یہ آپ بیتی شکستہ دل لوگوں اور بے ساز و برگ انسانوں کا حوصلہ بڑھاتی ہے اور عام قاری کے دل و جگر میں قوت پیدا کرتی ہے کہ حالات کے جبر کے سامنے اور اپنے جیسے انسانوں کی زیادتیوں اور ظلم و ناانصافی کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے ان حالات کا حوصلے اور صبر و تحمل سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ احسان دانش نے زندگی کو ہر رنگ اور ہر ڈھنگ سے دیکھا۔ اُنھوں نے ساری زندگی محنت کی، پتھر ڈھوئے، مٹی کھودی، عمارتوں کی تعمیر میں ایک سچے اور کھرے مزدور کی حیثیت سے کام کیا، چوکیداری کے ساتھ ساتھ چپڑاسی کا کام بھی کیا۔ پنجاب یونیورسٹی کی عمارت میں احسان دانش کا لہو جھلکتا نظر آتا ہے۔ سینٹ ہال (یونیورسٹی) کی پیشانی پر پنجاب یونیورسٹی کے مونوگرام میں احسان دانش کی کاریگری بھی شامل ہے۔ وہ خود مزدور تھے۔ اس لیے مزدوروں کے ساتھ انہیں ہمدردی تھی۔ وہ ان کے دُکھ کو حقیقی انداز میں سمجھتے ہیں کیونکہ وہ دکھوں کے اس پُل صراط پر چلتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے لہٰذا مزدوروں کے بارے میں ان کے جذبات بڑے حقیقت پسندانہ اور ان کے حقوق کے بارے میں ان کا انداز جارحانہ ہے۔ ان کے یہ خیالات ان کی نظموں کے ساتھ ساتھ "جہانِ

دانش" کے ورق ورق پر ایک اہم دستاویز کی حیثیت سے رقم ہو گئے ہیں۔احسان دانش کے ان الفاظ پر غور فرمائیں اور ان سوالات کا جواب دیں:

"دنیا مزدوروں کسانوں اور پسماندہ طبقے کو اس قدر رگیدتی ہے کہ وہ مشقت سے نکلنے کے تصور کو بھی مشقت خیال کرنے لگتا ہے۔"(11)

"مزدوروں کا لہو فروخت کرنے والے سرمایہ دار تو اکثر سکوں کی جگہ زبان کی بناوٹی شیرینی سے کام لیتے ہیں اور جہاں جایئے یہی قانون ملے گا۔"(12)

"جب میں دوپہر کو کسی درخت کے ٹھنڈے سائے میں سر کے نیچے کسی اونچی زمین، ٹوکری یا ڈھیلے کا تکیہ لگا کر لیٹ جاتا تو ہوا کے نرم جھونکے بالکل میری ماں کی طرح میرا سر سہلاتے اور میں ایک روحانی توانائی محسوس کیا کرتا۔۔۔ کبھی کبھی شام کو کھانا کھاتے ہی مجھے ایسی گہری نیند آتی کہ صبح تک خواب بھی گریز کرتے اور جب صبح کی اذان پر میری ماں مجھے جگاتی تو میں یوں اُٹھتا جیسے ابھی ابھی نئی زندگی سے دوچار ہو رہا ہوں۔ان دنوں اکثر مجھے یہ خیال آتا کہ کیا ساری دُنیا اِسی معاشرے کی چکی میں پس رہی ہے اور پستی رہے گی؟ کیا غریب لوگ ہمیشہ سے اسی طرح اپنے گرم خون کی حدت سے معدہ کے لیے ایندھن مہیا کرتے رہتے ہیں اور کرتے رہیں گے؟ کیا ہم یہی کھیکڑیں اُٹھانے آئے ہیں؟ کیا ناداروں کے شباب اور جسم کی قوتیں اسی طرح کم کرایہ پر چلتی اور ختم ہوتی رہیں گی؟"(13)

اسلوب کا دارومدار خوبصورت تشبیہات و استعارات، منظر نگاری اور جزئیات نگاری وغیرہ پر ہوتا ہے۔ "جہانِ دانش" میں لفظی تصویر کشی اور مرقع نگاری کے اعلیٰ نمونے نظر آتے ہیں۔اس مرقع نگاری سے ہی شاعرانہ نثر جنم لیتی ہے۔اس خصوصیت کی بنا پر "جہانِ دانش" آپ بیتی ہونے کے باوجود کسی افسانے کی طرح دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔جہانِ دانش میں مرقع نگاری کا ایک جہانِ نو ملتا ہے مثل کے طور پر آپ بھی احسان دانش کی نثری ادا ملاحظہ کیجئے:

"جب رات آسمان سے اپنا بساط خانہ سمیٹتی اور فضاؤں میں سنولاہٹ آجاتی تو میری قوتِ حیات مجھ سے خود بخود بستر چھین لیتی۔"(14) مزید یوں لکھتے ہیں کہ "میں خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ اب مجھے تمام دن لالہ و گل کی نبیض دیکھنے رنگوں کے تغیر و تبدل، چھالوں کی دھاریوں اور سلوٹوں کے علاوہ پتوں کی سبز شکنوں کے ساتھ زرد جھریوں سے اُن کے امراض پہچاننے کے عالوہ اور کوئی کام نہیں تھا۔"(15)

"جہانِ دانش" میں احسان دانش اپنی جو شخصیت اپنے قاری کے سامنے لاتے ہیں وہ ان کی خود ساختہ نہیں ہے بلکہ حالات وواقعات اور ارتقائے زمانہ کے ہاتھوں دھیرے دھیرے بنتی اور اپنی شناخت اجاگر کرتی چلی

جاتی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی ذات کا ہر منطقہ بغیر کسی لگی لپٹی کے ان کے قاری کے سامنے کھلتا اور روشن ہوتا چلا جاتا ہے۔ عام طور پر مشاہیر اپنی سوانح عمری کا وہ باب عیاں کیے بغیر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں جس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آنے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

معاشرے کے بعض ایسے طبقات کہ جن کے کردار فنی لحاظ سے رقص و سرور اور گائیکی سے متعلق ہوتے ہیں سے ذاتی نوعیت کے تعلق کی نسبت شرفائے زمانہ عموماً پردہ اخفا میں رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی اس نوع کی کسی وابستگی کو راتِ اظہار کی تقویت فراہم کر سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرزا ہادی رسوا کے زمانے کی تعیش پسندی کو اُس زمانے کے اعلیٰ طبقہ شرفا کی قبولیت حاصل تھی جبکہ موجودہ دور سرمایہ دارانہ معاشی قدروں کی بنیاد پر اپنی تہذیبی شناخت کا ادراک رکھتا ہے۔ زمانے کے بدلاؤ نے جہاں اخلاقی سطح پر خیر وشر کے پیمانے بدل ڈالے ہیں وہیں ثقافتی سطح پر خوب وزشت اپنی ایک نئی معنویت کے ساتھ اجاگر ہو رہے ہیں۔ احسان دانش نے "جہانِ دانش" میں شمعی سے اپنے مخلصانہ تعلق کے اظہار میں کسی ثقافتی سطح کے نفسیاتی الجھاؤ کا شکار ہوئے بغیر اپنے احساسات وخیالات بہ صراحت قلم بند کیے ہیں حالانکہ اگر وہ چاہتے تو شمعی کے کردار سے اغماض برتتے ہوئے اُسے سرسری قسم کے زکر اذکار میں بھی سمیٹ سکتے تھے مگر اسی صورت میں اپنی زندگی بیان کرنے کے حوالہ سے ان کا رویہ قلمی اور قلبی خیانت کا مرتکب ٹھہرتا۔ جہانِ دانش میں شمعی کا کردار اس نفاست خوبصورتی اور شاعرانہ سلیقے سے حیاتی سچائیوں کے ساتھ قلمبند کیا گیا ہے کہ یہ کردار قاری کے لئے پُرکشش جاذب نظر اور انسیت کا حامل بن جاتا ہے۔ احسان دانش نے اپنے اور شمعی کے تعلقات کو بڑے سلیقے اور سچائی سے بیان کیا ہے۔ احسان دانش نے لکھا ہے کہ:

> "اس طوائف کی لڑکی شمعی اُن دنوں رمضانی سے سرگم سیکھ رہی تھی۔ وہ مجھ سے قد میں تو ذرا بڑی تھی لیکن خوش رنگ شربتی آنکھیں، سُتواں ناک، پیاز کے بگھار کی طرح ابرو اور چھریرا بدن۔ جب وہ بولتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک غیر مرئی لذت کانوں سے دل پر چھن رہی ہے۔ میں اور للو جب بھی اس مکان کے سامنے سے گزرتے تو اکثر شمعیہ آواز دے لیتے۔ ان کے یہاں میری اور للو کی بدصورتی کا مذاق اڑایا جاتا۔ جس میں کوئی طنز یا کراہت کا پہلو بالکل نہ ہوتا بلکہ ایک ہلکی سی تفریح شمعی کبھی کوئی آواز نہ کستی اور نہ ان کے ہاں میں ہاں ملاتی بلکہ بعض اوقات ہماری حمایت میں گھر والوں سے بگڑ جاتی کہ آخر یہ بھی تو اُسی خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔ آپ میں رنگ کے سوا کون سی بات ہے۔ اس کی یہ ہمدردی غیر محسوس طور پر مجھے اس کے نزدیک کرتی رہی۔ نہ جانے وہ کیا جذبہ تھا اور اس کے نقش و نگار میرے حافظے سے کیوں محو نہیں ہوتے تھے۔"(16)

عصرِ حاضر کی تعقل پسندی نے مافوق الفطرت عناصر کو علمی استدلال کی بنیاد پر پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ جدید ذہن کے لئے اساطیری کردار اور دیومالائی افسوں کی حیثیت کسی فسانے سے زیادہ نہیں ٹھہرتی۔ آج کے انسان کی حسِ تشکیک اس حد تک فعال ہو چکی ہے کہ وہ بظاہر حقیقت تصور ہونے والے امور پر بھی سوال اٹھانے سے گریزاں نہیں ہوتا۔ ایسے میں اگر کہیں اُسے ذاتی تجربات کے حوالہ سے عقلیت کی کسوٹی پر پورا نہ اُترنے والے واقعات سننے کو ملتے ہیں تو وہ ان سے اُسی طرح محظوظ ہوتا ہے کہ جس طرح کسی دیومالائی داستان کے بعض واقعات کو سُن کر ہوا جا سکتا ہے مگر وہ ایسے ذاتی تجربات کو حقیقی قرار دینے پر خود کو آمادہ نہیں کر پاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ کم و بیش ہر فرد کے ساتھ بعض اوقات کچھ ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ جن کی منطقی توجیہہ پیش کیا جانا ممکن نہیں ہوتا۔ ایسے واقعات جس شخصیت کے ساتھ پیش آتے ہیں اس کے لیے تو وہ بلاشبہ حقیقی ہی ہوتے ہیں لیکن وہ ایسے حقائق کو بالخصوص ایسے افراد سے کہ جن کا ایسے پُراسرار واقعات سے کبھی واسطہ نہ پڑا ہو باور کروانے سے معذور رہتا ہے۔ یہی صورتحال "جہانِ دانش" میں بیان کئے گئے بعض مافوق الفطرت اور پُراسرار واقعات کے ساتھ بھی پیش آتی ہے۔ قاری احسان دانش کے تجربات کو عقلیت پسندی کے معیارات پر جانچتے ہوئے ان سے فکری اختلاف کے نکات تلاش کرنے کی بجائے ان کے افسانوی طرزِ بیان سے حظ اٹھانے کو ترجیح دیتا ہے۔ مافوق الفطرت یا مابعد الطبیعاتی حوالہ سے کسی فرد کے ذاتی تجربات کا المیہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے تجربات کسی اجتماعی تجربے میں ڈھلنے سے قاصر رہتے ہیں اور حقیقت یہی ہے کہ کسی انفرادی تجربے کا حاصل جب تک اجتماعی شعور کی قبولیت نہ پا لے حقیقت سے ماورا ہی رہتا ہے۔ تاہم یہ امر تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ حقیقت سے ماورا حقیقت کی بھی اپنی ایک الگ حقیقت ہوتی ہے۔ جہان دانش میں دراصل مافوق الفطرت بیانیے کے تناظر میں اسی حقیقت کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

"جہانِ دانش" کی بیانیہ شکل کے حوالے سے ڈاکٹر صبیحہ انور لکھتی ہیں:

> "جہانِ دانش" اُردو خود نوشت سوانح کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ احسان دانش کی صاف گوئی اور انسانی عظمت پر اعتماد سے اُردو آپ بیتی میں زبان و بیان کے نئے معیار متعین ہوں گے اور بہت سی آپ بیتیاں جو اظہار کے ناکامی جرات کی وجہ سے ابھی تک یادوں کے اندھیروں میں گم ہیں۔ انہیں سچائی کے سورج کے سامنے آنکھیں کھولنے کی طاقت مل سکتے گی۔"(17)

مجموعی اعتبار سے "جہانِ دانش" صرف جہانِ دانش ہی نہیں ہے بلکہ ایک ایسا جہانِ لطافت و انشا پردازی ہے کہ جو قاری کو بھرپوری انداز میں اپنے ماحول میں بسا لینے کی قدرت رکھتا ہے۔ احسان دانش نے اپنی شاعرانہ خلاقی کی استعداد سے نثر میں بھی خوب استفادہ کیا ہے روانی، سلاست، اشارے، کنارے، تراکیب، نادر

تشبیہات، منظر نگاری، خوبی تخیل غرض کوئی ایسی شاعرانہ خوبی نہیں ہے کہ جس کے خوشگوار تجربے سے "جہانِ دانش" کے قاری کو گزرنے کا موقع نہ ملتا ہو۔ جہانِ دانش میں احسان دانش کی زندگی کی روئیداد جو نتیجہ خیز نکتہ عیاں کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے وہ محض اس ایک فقرے میں پنہاں ہے کہ افلاس کبھی بلند حوصلگی کو شکست خوردہ نہیں بنا سکتا۔

"جہانِ دانش" بطورِ آپ بیتی اپنے قاری کو وہ سب کچھ فراہم کرتی ہے جو ایک مقبولِ عام شاعر اور ادیب کی داستانِ حیات کے لئے زیادہ سے زیادہ پیش کر دیا جانا ممکن ہے۔ مافوق الفطرت عناصر سے لے کر طنز و مزاح تک، زندگی کی رومانویت سے لے کر مادیت کے دئے ہوئے زخموں تک، حسیاتی شکست و ریخت سے لے کر عزیمت اور خودداری کی علمبرداری تک، بے بسی، محرومیوں، مجبوریوں سے لے کر جہانِ نو کی تخلیق تک، اخلاقیات کی موشگافیوں سے لے کر فلسفے کی بھول بھلیوں تک "جہانِ دانش" حقیقی معنوں میں ایک جہانِ دانش ہے۔ ایک ایسا جہانِ دانش کہ جو فرد کو بے وسیلہ ہوتے ہوئے بھی بلندی کردار کا مظاہرہ کرنے کے ہُنر سے آشنا کرواتا ہے۔ اس جہان کا مطالعہ انسان کو زندگی کرنے کا وہ طریق سکھاتا ہے کہ جو طریقہ ایک عام مزدور کو شاعرِ مزدور اور احسان الحق کو احسان دانش بنا دیتا ہے۔ احسان دانش نے یہ آپ بیتی لکھ کر صرف اُردو ادب پر ہی احسان نہیں کیا بلکہ ان تمام لوگوں پر بھی احسان کیا ہے جو نامساعد حالات میں بھی مضبوط اور اعلیٰ کردار کی زندگی گزارنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

1. Lohmann, R. I. (2008). Introduction: Biographies of Anthropologists as Anthropological Data. *Reviews in Anthropology, 37*(2-3), 89-101.
2. Peacock, J. L., & Holland, D. C. (1993). The narrated self: Life stories in process. *Ethos, 21*(4), 367-383.
3. Hollan, D. (2001). Developments in Person-Centered Ethnography. In *The Psychology of Cultural Experience*. Carmella C. Moore and Holly F. Matthews, eds. Cambridge: Cambridge University Press.
4. Banerjee, M. (2000). *The Pathan unarmed: opposition & memory in the North West Frontier*. James Currey Publishers

5۔ احسان دانش، جہانِ دانش (لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء) ص ۱۲،۱۱

6۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، عبدالماجد دریا آبادی۔ احوال و آثار (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۲۰۰۶ء) ص ۴۲۲

7۔ احسان دانش، جہانِ دانش، ص ۱۷

8۔ ایضاً، ص ۱۳

9۔ ایضاً، ص ۲۵

10۔ عبداللہ، ڈاکٹر، سید، وجہی سے عبدالحق تک، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء) ص ۳۰۲

11۔ احسان دانش، جہانِ دانش، ص ۱۹۶

12۔ ایضاً، ص ۹۳

13۔ ایضاً، ص ۹۱،۹۰

14۔ ایضاً، ص ۱۰۸

15۔ ایضاً، ص ۳۶

16۔ ایضاً ص ۳۶

17۔ صبیحہ انور، ڈاکٹر، اُردو میں خود نوشت سوانح حیات، (لکھنو: نامی پریس، ۱۹۸۲ء) ص ۳۱۳